قراءاتِ متواترہ وشاذہ سے تفسیرِ قرآن

(ائمہ کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر حافظ انس نضر*

ABSTRACT

Among different ways of exegeting based on narrative method (Tafseer bil-Ma'thoor), the most reliable form is to interpret the Quran by Quran itself. There are numerous ways in which Quran elaborates its meaning one of which is the use of Qira'aat (i.e. dialectical method). The use of different variations of reciting Quranic words elaborates its meaning. An important point to note here is that the difference in Qira'aat corroborates the diversity in the meaning and their comprehensiveness not their inconformity . Qira'aat are categorized by the scholars in two categories: There are those that are narrated and transmitted by multiplicity (Tawaatur) while others do not fulfill such criteria and are therefore denoted by the term (Shaazzah). This papers seeks to substantiate the method of interpreting the Quran by both forms of Qiraa'aat and concludes that both of these were actually revealed by Allah and are both reliable in terms of exegeting the Quranic text.

Keywords: متواترہ، قراءات، شاذہ، تحکیم، تحریف، اختصار، قصہ ابلیس

قرآن کریم اللہ رب العلمین کا وہ عظیم کلام ہے جو اللہ نے سب سے آخر میں نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا۔ قرآن کریم پچھلی آسمانی کتب کی تائید و تصدیق بھی کرتا ہے اور اگر ان میں کوئی تحریف یا تبدیلی وغیرہ ہوئی ہو تو ان کی تصحیح، تحکیم اور نگرانی کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ خاتم

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور

النبیین ہیں اسی طرح قرآن کریم بھی آخری کتاب ہے جس کے بعد کسی کتاب کا نزول نہیں ہو سکتا جو قرآن کی تائید یا توضیح کر سکے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود لی اور اسی طرح اس کی تشریح اور تبیین بھی بہترین انداز میں خود ہی فرمائی:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْءَانَهُ0 فَإِذَا قَرَأْنَهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُ 0 ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾[1]

کسی کلام کو سمجھنے کا سب سے آسان اور بہتر طریقہ بھی یہی ہے کہ متکلم خود بتائیے کہ میرے کلام سے میری مراد اور منشا یہ ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تشریح و تبیین خود قرآن ہی میں مختلف مقامات پر فرمائی ہے اسی طرح مزید تفصیلات وتوضیحات نبی کریم ﷺ پر وسنت کی صورت میں وحی فرمائی ہیں اور آنحضرت ﷺ کا بنیادی فریضہ بھی قرآن کی تفسیر ہی قرار دیا ہے:

﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[2]

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قرآن کریم کی تلاوت بھی فرماتے تھے اور انہیں کتاب وحکمت کی باقاعدہ تعلیم (تفسیر و تبیین) بھی دیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ قرآن کریم کے ہر مشکل مقام کی وضاحت نبی کریم ﷺ سے ہی سمجھا کرتے۔ اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے علماء ومفسرین کرام کے ہاں قرآن کریم کی سب سے بہتر تفسیر بالماثور ہے۔ یعنی قرآن کی تفسیر قرآن سے یا سنت سے یا صحابہ کرام سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نبی ﷺ کے مطالبے اور دُعا پر سبعہ احرف میں نازل فرمایا۔ قرآن کریم کی قراءات بھی قرآن ہی ہیں۔ جس طرح قرآن اپنے بعض مشکل مقامات کی وضاحت خود دوسرے مقامات پر کر دیتا ہے اسی طرح کئی مشکل الفاظ کی وضاحت قرآن کی دیگر قراءات سے بھی ہو جاتی ہے جو در حقیقت تفسیر بالماثور کی افضل صورت تفسیر القرآن بالقرآن میں ہی شامل ہے۔

---

[1]۔القیامہ ، 75 : 17 - 19

[2]۔القیامہ ، 75 : 17 - 19

تفسیر القرآن بالقرآن

قرآنِ کریم نے اپنے مضامین کو مختلف اسالیب میں کئی بار ذکر کیا ہے۔ جس میں حکم یا واقعہ کے ایک پہلو پر اور دوسری جگہ دوسرے پہلو پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اگر ان آیات میں ہر ایک کو دوسری سے بالکل بے نیاز ہو کر سمجھا جائے تو حقیقت مسئلہ واضح طور پر نکھر کر سامنے نہیں آتی۔ اس لیے جمہور اہل سنّت نے قرآن فہمی کے جب اُصول مقرر فرمائے تو پہلا درجہ تفسیر قرآن بالقرآن کو دیا تاکہ قرآنِ مجید میں موجود کسی بھی حکم کی تمام جزئیات سامنے آجائیں اور تفہیم آیات تشنہ سوال نہ رہے۔

قرآنِ کریم کے ذریعے تفسیر قرآن کے بہت سے پہلو ہیں، جن میں چند نمایاں پہلوؤں کی مختصر وضاحت حسبِ ذیل ہے:

1. اختصار کی تفصیل

قرآن کریم میں ایک جگہ کوئی واقعہ اختصار سے بیان ہوتا ہے، تو دوسری جگہ تفصیل سے وارد ہوتا ہے، جیسے آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصّہ بعض جگہ مختصر آیا ہے اور بعض جگہ مفصل۔ یہی حال موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ ٱلْأَنْعَٰمِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ (1)

”تمہارے لیے چوپائے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں، سوائے ان کے جو تم پر تلاوت کئے گئے (بیان کر دیئے گئے) ہیں۔“

دوسری آیت میں ﴿إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ کی وضاحت و تفصیل یوں آئی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ﴾ (2)

”تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے لیے پکارا گیا جانور حرام کر دیا گیا ہے۔“

---

[1]۔ النحل، 16 : 44

[2]۔ المائدۃ، 5 : 3

2. اجمال کی تبیین

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ ٱلَّذِى يَعِدُكُمْ﴾[1]

"اور اگر یہ رسول سچا ہے، تو جس عذاب کا وعدہ وہ تم سے کرتا ہے، اس میں سے کچھ تمہیں ضرور پہنچے گا۔"

اسی سورت میں اسکی وضاحت یوں فرمائی:

﴿فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ ٱلَّذِى نَعِدُهُمْ﴾[2]

"جس بات کا وعدہ ہم ان سے کرتے ہیں، اگر اس میں سے کچھ آپ کو دکھادیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیت نمبر 28 میں جس وعدہ کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے دُنیوی عذاب مراد ہے۔

3. عموم کی تخصیص

عام کو خاص پر محمول کرنے کی مثال یہ آیت قرآنی ہے:

﴿مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَـٰعَةٌ﴾[3]

"اس سے قبل کہ وہ دن آئے، جس روز نہ سودابازی ہو گی، نہ دوستی اور نہ سفارش۔"

اس آیت میں دوستی اور سفارش کی نفی بطریق عموم فرمائی، پھر متقیوں کو دوستی کی نفی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ٱلْأَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا ٱلْمُتَّقِينَ﴾[4]

"اس روز دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، مگر متقی نہیں۔"

اسی طرح اذنِ ربانی پر مبنی سفارش کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے، فرمایا:

1۔ المؤمن، 40 : 28

2۔ المؤمن، 40 : 77

3۔ البقرة، 2 : 245

4۔ الزّخرف، 43 : 67

﴿وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغۡنِي شَفَٰعَتُهُمۡ شَيۡـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعۡدِ أَن يَأۡذَنَ ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرۡضَىٰٓ﴾[1]

"آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جس کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر جسے اللہ چاہے اور پسند کرے اسے اذن الٰہی کے بعد سفارش کا حق حاصل ہوتا ہے۔"

4. مطلق کی تقیید

امام غزالی رحمہ اللہ (505ھ) نے اسکی مثال یہ بیان فرمائی ہے کہ آیتِ وضو میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَٱغۡسِلُواْ وُجُوهَكُمۡ وَأَيۡدِيَكُمۡ إِلَى ٱلۡمَرَافِقِ﴾[2]

"اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔"

اس آیت میں ہاتھ دھونے کی تحدید کہنی تک کی گئی ہے، جبکہ اسی آیت میں تیمّم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَٱمۡسَحُواْ بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُم مِّنۡهُ﴾[3]

"اپنے چہروں اور ہاتھوں کو اس سے مل لو۔"

یہاں ہاتھ کی تحدید نہیں کی گئی، لہذا اسے بھی 'کہنیوں تک' پر محمول کرتے ہوئے مقید کر لیں گے۔[4]

5. غریب الفاظ القرآن کی تفسیر

مثلاً فرمایا: ﴿وَٱلسَّمَآءِ وَٱلطَّارِقِ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلطَّارِقُ﴾[5] کہ آسمان اور طارق کی قسم اورآپ کیا جانیں کہ طارق کیا ہے؟ آگے خود فرمایا: ﴿ٱلنَّجۡمُ ٱلثَّاقِبُ﴾[6] کہ چمکدار ستارہ ہے۔ اسی طرح الحاقة، القارعة، الحطمة وغیرہ کلمات ہیں۔

---

[1] ۔ النّجم، 53 : 26

[2] ۔ المائدة، 5 : 6

[3] ۔ المائدة، 5 : 6

[4] ۔ الغزالي، أبو حامد محمد، المستصفى، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1413ھ: ص278

[5] ۔ الطّارق، 86 : 1، 2

[6] ۔ الطّارق، 86 : 3

تفسیر قرآن بذریعہ قراءاتِ قرآنیہ

اُمت کی آسانی اور قرآنِ کریم کے مفاہیم کی فہمائش کی خاطر اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید کو سبعہ احرف کا لبادہ اوڑھا کر زینتِ کائنات بنایا، جو ان دونوں میدانوں میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ آفرین ہیں۔ مفسرین کلام الٰہی نے قرآن فہمی میں قراءات سے بے بہا مشکل مسائل کی تحلیل و تاویل میں مدد لی ہے اور ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق نکتہ سنجیاں کی ہیں۔ آئندہ سطور میں ان تفسیری امثلہ کے علاوہ قراءات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

قراءات کی تعریف

بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ قراءات کی تعریف میں رقمطراز ہیں۔

"اختلاف الفاظ الوحي في الحروف وكيفيته من تخفيف وتشديد وغيرها." [1]

”الفاظِ وحی کے حروف اوران کی کیفیات مثلاً تخفیف، تشدید وغیرہ میں اختلاف کو قراءت کہتے ہیں۔“

ابن جزری (833ھ) فرماتے ہیں:

"القراء ات علم بكيفية أداء كلمات القرآن واختلافها بعزو الناقلة." [2]

”قراءات وہ علم ہے جس میں کلماتِ قرآنیہ کے اَداء کی کیفیت اوران کا اختلاف ناقل کی نسبت سے معلوم کیا جائے۔“

قراءات کے اختلاف کی حقیقت

قراءت کا اختلاف تنوع اور تغایر کی قسم سے ہوتا ہے، تضاد وتناقض کے قبیل سے نہیں۔یعنی قراءت سے طرح طرح کے معانی سامنے آتے ہیں جو ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود باہم متضاد اور مخالف نہیں

[1] ۔ الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن جمال الدين، البرهان في علوم القرآن، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولى، 1410ھ/1990م: 1 / 318

[2] ۔ ابن الجزري، أبو الخير محمد بن محمد الدّمشقي، منجد المقرئين ومرشد الطالبين، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1420ھ: ص9

ہوتے، کیونکہ کتاب اللہ میں تضاد محال ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا﴾(1)

"اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور طرف سے ہوتا تو اس میں اختلافِ کثیر ہوتا۔"

چنانچہ ناممکن ہے کہ ایک قراءت میں امر ہو اور دوسری میں نہی ہو یا کسی طرح کا تعارض ہو۔

ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام قراءتوں کے اختلاف میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصداق کے اعتبار سے اختلاف کی تین قسمیں ہیں:

1. لفظ میں تبدیلی ہو جائے، لیکن معنی دونوں قراءتوں میں ایک ہی رہے جیسے (الصّراط، السّراط)، (عَلَيْهِمْ، عَلَيْهُمْ)، (الْقُدْس، الْقُدُس) اور (يَحْسِب، يَحْسَب)
2. لفظ اور معنی میں تبدیلی تو ہو جائے، لیکن دونوں کا مصداق ایک ہو یعنی دونوں ایک ہی ذات پر صادق آتے ہوں جیسے سورۂ فاتحہ میں مٰلِكِ اور مَلِكِ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہی ہیں، اس لیے کہ وہ قیامت کے دن کے مالک بھی ہیں اور اس روز کے بادشاہ بھی، کیونکہ اس دن سب مجازی سلطنتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔
3. لفظ و معنی دونوں میں تبدیلی آ جائے اور دونوں کا مصداق بھی جدا جدا ہو، لیکن کوئی ایسی توجیہ کرنا ممکن ہو جو دونوں کو متّحد کر دے اور تضاد پیدا نہ ہونے پائے۔ مثلاً ﴿وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا﴾(2) میں ذال کی تخفیف والی قراءت میں ظن وہم کے معنیٰ میں ہے اور جمع کی تینوں ضمیریں کفار کے لیے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ کفار کو یہ وہم ہو گیا کہ رسولوں نے جو خبریں دی ہیں ان میں ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ ذال کی تشدید والی قراءت کی صورت میں ظن یقین کے معنی میں ہے اور تینوں ضمیریں رسولوں کے لیے ہیں۔ یعنی رسولوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب ان کی قوم نے انہیں پوری طرح جھٹلا دیا ہے۔ ضد اور مخالفت کے سبب اب ان کے ایمان لانے کی کوئی اُمید نہیں رہی۔

1۔ النّساء، 4 : 82

2۔ يوسف، 12 : 110

اسی طرح ﴿وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ ٱلْجِبَالُ﴾[1] میں پہلی قراءت ﴿لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ میں إن نافیہ ہے جو لام نفی کی تاکید کے لیے ہے، جبکہ مضارع أن مقدّرہ کی بنا پر منصوب ہے اور الجبال سے مراد مجازی طور پر نبی کریم ﷺ کی نبوت، دین اسلام اور قرآنِ مجید ہیں یعنی کفار کی تدبیریں تو فی نفسہا بڑی بڑی اور مضبوط تھیں لیکن اس کے باوجود بھی ان کی تدبیر ایسی نہ تھیں جن سے پہاڑ (نبوت، قرآن، دین حق) اپنی جگہ سے ہٹ جاتے اور دین الٰہی مٹ جاتا بلکہ ان کی مخالفت کے باوجود بھی دینِ حق غالب ہی رہا اور ان کی تدبیریں نیست ونابود ہو گئیں۔ دوسری قراءت ﴿لَتَزُولُ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ میں إنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور لَتَزُولُ کا پہلا لام ابتدائیہ ہے جبکہ دوسرا لام مرفوع ہے اور الجبال حقیقی معنی میں ہے پس اس سے یہی ظاہری پہاڑ مراد ہیں یعنی یہ بات یقینی ہے کہ کفار کی تدبیریں اس قدر مضبوط اور سنگین تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے مٹ جاتے، لیکن اس کے باوجود وہ دین الٰہی کو مغلوب نہ کر سکے جو دین اور نبی کریم ﷺ کی صداقت پر واضح ترین دلیل ہے۔[2]

ان مثالوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ضدیّت اور منافات کسی بھی قراءت میں نہیں۔ اگر ہمیں کسی قراءت کی ضدیّت کا شبہ ہو تو وہ ہماری ہی کم فہمی، کم علمی اور کم عقلی کا نتیجہ ہے جس سے کلامِ الٰہی بالکل بری اور پاک ہے۔ ہر قراءت میں متّفقہ مراد کی توجیہ ممکن ہے۔ جو قراءت بھی نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہو جائے اور وہ قواعدِ عربیہ اور رسم عثمانی کے موافق ہو، اس کا ماننا واجب ہے اور اس کو قبول کرنا لازم ہے، اُمت میں سے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو ردّ کرے۔ اس پر ایمان لانا اور اس امر پر یقین رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہر قراءت حق تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے، کیونکہ ہر قراءت کا تعلّق دوسری قراءت کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ ہے۔ پس ہر آیت اور قراءت جس معنی پر مشتمل ہے اعتقاداً بھی اس کی پیروی کرنا ضروری ہے اور عملاً بھی اور یہ بھی جائز نہیں کہ دو قراءتوں میں تعارض و مخالفت کا گمان کر کے ایک پر تو عمل کر لیا جائے اور دوسری کے حکم کو نظر انداز کر دینے کا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"وأن لا يختلفوا في القرآن ولا يتنازعوا فيه فإنه لا يختلف ولا يتساقط ...

[1]۔ إبراہیم، 14 : 46

[2]۔ ابن الجزري، أبو الخير محمد بن محمد، النّشر في القراءات العشر، دار الكتب العلمية، بيروت: 1 / 49، 50

الخ."[1]

"کہ لوگ قرآن مجید میں جھگڑا نہ کریں، کیونکہ نہ تو اس میں اختلاف کی گنجائش ہے اور نہ کوئی حصہ اس کا حذف ہو سکتا ہے۔"

قراءات کی اَقسام

قراءات کی دو مشہور قسمیں ہیں: 1. قراءاتِ متواترہ 2. قراءاتِ شاذہ

قراءاتِ متواترہ سے مراد وہ صحیح اور مقبول قراءات ہیں جو نبی کریم ﷺ سے بطریقِ تواتر مروی ہوں اور عربی قواعد ور سم عثمانی کے موافق ہوں۔ صرف انہی کی تلاوت جائز ہے۔[2]

قراءتِ شاذہ وہ ہے جو بحیثیتِ قرآن منقول ہو لیکن نہ تو وہ تواتر سے ثابت ہو اور نہ ہی ائمہ قراءات کے نزدیک اسے قبولِ عام کا مقام حاصل ہو۔ اس کی مثال وہ قراءات ہیں جو ابن جنی کی کتاب المحتسب اور دیگر کتب میں موجود ہیں۔[3]

قراءاتِ متواترہ سے تفسیر کے بارے میں سلف صالحین میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ کتبِ تفسیر قراءات متواترہ کی امثلہ سے بھری پڑی ہیں اور خصوصاً وہ کتب جن میں تفسیر بالماثور کا التزام کیا گیا ہے۔ ان میں قراءات سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

جب کسی کلمۂ قرآنی میں دو متواتر قراءتیں ہوں تو مفسرین وفقہاء کے نزدیک وہ دو آیات کی طرح ہیں۔ ان کی تفسیر اسی طرح کی جائے گی جس طرح ایک مسئلہ میں وارد دو آیات کی تفسیر کی جاتی ہے۔ آیت الوضوء کی تفسیر میں امام جصاص رحمہ اللہ (370ھ) رقمطراز ہیں:

"وهاتان القراءتان قد نزل بهما القرآن جميعًا ونقلتها الأمّة تلقّيًا من رسول الله ﷺ."[4]

---

[1] ـالطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد، المعجم الكبير، مكتبة ابن تيمية القاهرة، الطبعة الثانية: 10 / 97

[2] ـمنجد المقرئين: ص18

[3] ـالبرهان في علوم القرآن: 1 / 481

[4] ـ الجصاص، أبو بكر محمد بن عبد الله، أحكام القرآن، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية، 1387ھ/1967م: 2 / 345 (باب غسل الرّجلين)

"یہ دونوں قراء تیں ہیں، قرآن ان دونوں کے ساتھ نازل ہوا ہے اور امّت نے ان کو رسول اللہ ﷺ سے حاصل کر کے نقل کیا ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"وأيضا فإنّ القراءتين كالآيتين، في إحداهما الغَسل وفي الأخرى المسح لاحتمالهما للمعنيين فلو وردت آيتان إحداهما تُوجِبُ الغَسل والأخرى المسحَ لمَا جازَ ترك الغَسل إلى المَسحِ."[1]

"دو قراء تیں دو آیتوں کی طرح ہیں، ان میں سے ایک میں دھونے کا معنی ہے دوسری میں مسح کا، کیونکہ یہ دونوں معانی کا احتمال رکھتی ہیں۔ چنانچہ اگر بالفرض دو آیتیں نازل ہو جاتیں، ایک کا موجب دھونا ہوتا اور دوسری کا مسح ہوتا، تو بھی دھونے کو مسح کے مقابلہ میں ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما القراءة الأخرى وهي قراءة من قرأ ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾ بالخفض فهي لا تخالف السنّة المتواترة؛ إذ القراءتان كالآيتين."[2]

"دوسری قراءت ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾ جو زیر کے ساتھ ہے، وہ سنتِ متواترہ کے مخالف نہیں ہے، اس لیے کہ دو قراء تیں دو آیتوں کی طرح ہوتی ہیں۔"

ابو الفضل محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن القواعد الأصوليّة عند الطّائفتين أنّ القراءتين المتواترتين إذا تعارضتا في آية واحدة فلها حكم آيتين."[3]

---

[1] ۔ أحكام القرآن للجصاص : 2 / 346

[2] ۔ ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم ، الفتاوى الكبرى، دار الكتب الحديثة: 1 / 366؛ ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، دقائق التفسير الجامع لتفسير ابن تيمية (مختارات)، مؤسسة علوم القرآن، دمشق، الطبعة الثانية، 1404هـ: 2 / 26

[3] ۔ الألوسي، شهاب الدين محمود، روح المعانى في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى، 1415هـ: 3 / 246

"دونوں گروہوں کے نزدیک اُصولی قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ متواتر قراء تیں جب ایک آیت میں متعارض ہو جائیں تو ان کا حکم دو آیتوں کی طرح ہے۔"

علمائے کرام نے قراءاتِ متواترہ کے علاوہ قراءاتِ شاذہ کو بھی حجت تسلیم کیا ہے اور ان سے نئے نئے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ ﴿فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ﴾[1] کے بجائے فَامۡضُوا إِلَىٰ ذِكۡرِ الله پڑھا کرتے تھے۔[2]

اس ضمن میں ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علماء نے قراءاتِ شاذہ کو بطورِ تفسیر حجّت قرار دیا ہے۔ یہ حدیث اس کا واضح ثبوت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح فَامۡضُوا إِلَىٰ ذِكۡرِ الله۔ پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس میں ﴿فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ﴾ کے علاوہ کوئی دوسری قراءت نہ ہوتی تو میں اس قدر دوڑ کر جاتا کہ میری چادر نیچے گر جاتی۔"[3]

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قراءت شاذہ سے مذکورہ مسئلہ کا استنباط کرنا اس کی حجیت کی دلیل ہے۔

امثلہ تفسیر قرآن بذریعہ قراءاتِ متواترہ

﴿مَّن ذَا ٱلَّذِي يُقۡرِضُ ٱللَّهَ قَرۡضًا حَسَنٗا فَيُضَٰعِفَهُۥ لَهُۥٓ أَضۡعَافٗا كَثِيرَةٗ﴾[4]

اس آیت میں کلمہ فَيُضَٰعِفَهُۥ میں چار قراء تیں ہیں:

1. فَيُضَعِّفُهُ (امام ابن کثیر، ابو جعفر) 2. فَيُضَعِّفَهُ (امام ابن عامر، امام یعقوب) 3. فَيُضَٰعِفَهُ (امام عاصم) 4. فَيُضَٰعِفُهُ (امام نافع، ابو عمرو بصری، حمزہ، کسائی)[5]

1ـ سورة الجمعة ، 62 : 9

2ـ مالك بن أنس، الإمام، المؤطا، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان أبو ظبي، الطبعة الأولى، 1425ھ: كتاب النّداء للصلاة، باب ما جاء في السّعي يوم الجمعة، رقم الحديث 357

3ـ ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله القرطبي، الاستذكار، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى، 1421ھ، : 1 / 381

4ـ سورة البقرة، 2 : 245

5ـ النّشر: 2 / 228

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (597ھ) فرماتے ہیں:

"معنى ضاعف وضعّف واحد، والمضاعفة الزيادة على الشيء حتى يصير مثلين أو أكثر."(1)

"ضاعف اور ضعّف کا معنی ایک ہی ہے، اور مضاعفہ کسی چیز پر زیادتی اور اتنے اضافہ کا نام ہے، جس سے وہ دوگنی یا اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔

محمد ثناء اللہ مظہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اور تشدید اس میں تکثیر کے لیے ہے... اور مفاعلہ مبالغہ کے لیے ہے۔"(2)

خلاصہ یہ کہ ان دونوں قراءتوں کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ شخص جو اللہ کے لیے اس قرض والے کام کو اخلاصِ نیت کے ساتھ کرتا ہے اس کا اجر اور بدلہ کسی اعتبار سے بھی کم نہیں ہو گا۔ اس میں کثرت بھی دو اعتبار سے ہو گی اور اس میں برکت بھی ہو گی۔ گویا یہ دونوں قراءتیں معنی کے اندر مزید وسعت پیدا کر رہی ہیں۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمۡ فَاسِقُۢ بِنَبَإٖ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُوا قَوۡمَۢا بِجَهَٰلَةٖ فَتُصۡبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلۡتُمۡ نَٰدِمِينَ﴾ (3)

اس آیتِ کریمہ میں لفظ ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ میں دو متواتر قراءتیں ہیں: فَتَثَبَّتُوا (امام حمزہ، کسائی اور خلف) اور فَتَبَيَّنُوا (باقی قراء)(4)

فَتَبَيَّنُوا کا مادہ بین ہے اور یہ باب تفعل ہے۔ اور دوسری قرات فَتَثَبَّتُوا بھی باب تفعّل سے ہے، لیکن اس کا مادہ ثبت ہے۔

امام قیسی رحمہ اللہ (437ھ) لکھتے ہیں:

1۔ الجوزي، عبد الرحمن بن علي بن محمد، زاد المسير في علم التفسير، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة، 1404ھ: 1 / 221

2۔ المظهري، محمد ثناء الله، التّفسير المظهري، مكتبة الرشدية الباكستان، 1412ھ: 1 / 345

3۔ سورة الحجرات، 49 : 6

4۔ النشر : 2 / 251

"وليس كل من تثبّت في أمر تبيّنه، قد يتثبّت ولا يتبيّن له الأمر، فالتبيّن أعمّ من التثبّت في المعنى لاشتماله على التثبّت."[1]

"ضروری نہیں ہے کہ جہاں معاملہ کا ثبوت ہو وہ مبیّن ہو، یہ ممکن ہے کہ ایک بات ثابت تو ہو جائے لیکن واضح پھر بھی نہ ہو البتہ تبیین کے معنی میں تثبیت کی نسبت زیادہ عمومیت پائی جاتی ہے، کیونکہ تبیین تثبیت کو بھی شامل ہے۔"

اسی طرح امام ابن عطیہ رحمہ اللہ (542ھ) لکھتے ہیں:

"وقال قوم: فتبيّنوا أبلغ وأشدّ من فتثبّتوا ؛ لأنّ المتثبّت قد لا يتبيّن."[2]

"ایک قوم کا کہنا ہے کہ لفظ فتبیّنوا، فتثبّتوا سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ ہر متثبت چیز متبین نہیں ہوتی۔"

گویا ان دونوں حضرات کے نزدیک تبیین عام ہے، اس کے معنی میں ثبوت بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن تثبّت خاص ہے، اس میں تبیّن اور وضاحت ضروری نہیں ہے۔ یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی معاملہ کا ثبوت اور دلیل تو مل جائے لیکن وہ واضح اور قابل فہم نہ ہو۔

اگرچہ یہ دونوں قراءتیں قریب المعنیٰ تو ہیں لیکن ان دونوں کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی معاملہ کی وضاحت اور تبیین میں تثبّت یعنی تحمل اور اتنا ٹھہراؤ اختیار کیا جائے، اور جلد بازی نہ کی جائے، یہاں تک کہ حقیقت بالکل کھل کر واضح ہو جائے۔

جیسا کہ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (1974ء) لکھتے ہیں:

''فتبیّنوا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ایسی خبر پر اس وقت تک عمل جائز نہیں جب تک اس کی پوری وضاحت نہ کر لی جائے اور ایک قراءت میں یہ لفظ فتثبتوا پڑھا گیا ہے یعنی اس کی دلیل حاصل کر لو۔''[3]

1۔ القيسي، أبو محمد بن أبي طالب، الكشف عن وجوه القراءات السبع، مؤسسة الرسالة: 1 / 394، 395

2۔ ابن عطية الأندلسي، المحرّر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى، 1422ھ: 2 / 96

3۔ معارف القرآن: 6 / 452

ان دونوں قراءتوں کا معنی سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی معاملہ کی تحقیق میں معلومات کو ہر اعتبار سے جانچنا اور بغیر تحقیق کے کسی خبر کو قبول کرنا بعد میں شرمندگی اور افسوس کا باعث ہو سکتا ہے۔

﴿إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ بِٱلۡحَقِّ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗاۖ وَلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ أَصۡحَٰبِ ٱلۡجَحِيمِ﴾[1]

اس آیتِ کریمہ میں کلمہ ﴿وَ لَا تُسْئَلُ﴾ میں دو قراءتیں ہیں: وَ لَا تَسْئَلْ (امام نافع اور یعقوب) اور وَ لَا تُسْئَلُ (باقی سب قرّاء کرام)[2]

مفسرین کرام نے واضح فرمایا ہے:

"جمہور کی قراءت کے موافق یہ معنی ہوں گے کہ اے محمد ﷺ! آپ سے اس کی پوچھ گچھ نہ ہو گی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے۔ آپ کے ذمّہ تو صرف پہنچادینا ہے۔ اور امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت پر سوال سے روکنا شدتِ عذاب سے کنایہ ہو گا، جیسے کہاجاتا ہے کہ اس کا حال مت پوچھ، یعنی وہ بہت تکلیف میں ہے۔"[3]

امام قرطبی (671ھ) نفی والی قراءت کا معنی بیان کرتے ہیں:

"والمعنٰى إنّا أرسلنك بالحقّ بشيرا ونذيرا غيرَ مسئولٍ عنهم."[4]

کہ معنی یہ ہے کہ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس حال میں کہ ان کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہ ہو گا۔

اور نہی والی قراءت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"وفيه وجهان: أحدهما أنه نهيٌ عن السّؤال عمن عصىٰ وكفر من الأحياء؛ لأنّه قد يتغيّر حاله فينتقل عن الكفر إلى الإيمان وعن المعصية إلى الطّاعة، والثاني وهو الأظهر أنه نهيٌ عن السّؤال عمّن ماتَ على كفره ومعصيته."[5]

1۔سورة البقرة، 2 : 119

2۔ النشر : 2 / 221

3۔ التّفسير المظهري : 1 / 207 ؛ روح المعاني: 1 / 333

4۔ القرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد، الجامع لأحكام القرآن، دار الكتب المصرية القاهرة، الطبعة الثانية، 1384ھ : 2 / 92

5۔أيضًا

"اس میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ حکم زندوں میں سے گناہگار اور کفار کے بارے میں سوال سے روکنے کے لیے ہو، کیونکہ ان کا حال کفر سے ایمان کی طرف، اور گناہ سے اطاعت کی طرف تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔ اور دوسرا جو زیادہ ظاہر ہے کہ یہ حکم کفر اور معصیت پر مرنے والے لوگوں کے بارے میں سوال سے روکنے کے لیے ہو۔"

خلاصہ یہ ہوا کہ نفی والی قراءت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اصحابِ جہنّم کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی سوال نہیں ہو گا کہ وہ کیوں ایمان نہیں لائے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ کی ذمّہ داری صرف پہنچا دینا تھی۔ اور نہی والی قراءت سے یہ معنی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان لوگوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرما دیا ہے، جن کے بارے میں جہنّم کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس معنی کی تائید ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ٱسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ أَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ إِن تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِينَ مَرَّةٗ فَلَن يَغۡفِرَ ٱللَّهُ لَهُمۡۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ كَفَرُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۗ وَٱللَّهُ لَا يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلۡفَٰسِقِينَ﴾[1]

"اے نبی ﷺ! آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے، تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں فرمائے گا؛ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں عطا فرماتا۔"

﴿وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِي هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانِ لِيَذَّكَّرُواْ وَمَا يَزِيدُهُمۡ إِلَّا نُفُورٗا﴾[2]

اس آیت کریمہ میں کلمہ ﴿لِيَذَّكَّرُوا﴾ میں دو قراءتیں ہیں: لِیَذْكُرُوا (امام حمزہ، کسائی اور خلف) اور لِيَذَّكَّرُوا (باقی سب قرّاء کرام)[3]

امام قیسی (437ھ) لکھتے ہیں:

1۔ التوبہ، 9 : 80

2۔ الإسراء، 17 : 41

3۔ النشر : 2 / 307

"فالتّشديد للتدبّر، والتّخفيف للذّكر بعد النّسيان."[1]

''تشدید تدبر کے معنی کے لیے، اور تخفیف بھول جانے کے بعد یاد کرنے کے معنی کے لئے ہے۔''

ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والتّذكّر: الاتّعاظ والتّدبّر."[2]

''تذکّر کا مفہوم حصولِ نصیحت اور انتہائی تدبّر کیلئے مستعمل ہے۔''

محمود آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"وقرأ حمزة والكسائي هنا وفي الفرقان ﴿لِيَذْكُرُوا﴾ من الذّكر الّذي بمعنى التذكّر ضدّ النّسيان والغفلة، والتذكّر على القراءة الأولى بمعنى الاتّعاظ."[3]

''امام حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے اس کلمہ کو یہاں اور سورۂ فرقان میں مادہ ذکر سے پڑھا ہے، جو کہ تذکر کے معنی میں ہے اور نسیان اور غفلت کی ضد ہے۔ جبکہ تذکّر پہلی قراءت کے مطابق نصیحت حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔''

خلاصہ یہ نکلا کہ اس آیت میں دو قراءتیں ہونے کی وجہ سے حکم کے دو پہلو نکل آئے۔ پہلا قرآن کا ذکر یعنی اس کی تلاوت کرنا اور یاد کرنا۔ دوسرا قرآن سے وعظ و نصیحت حاصل کرنا۔ اور یہ دو ایسے معنی ہیں جو ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاسکتے۔ یعنی ذکر کے بغیر نصیحت حاصل نہیں ہو سکتی اور نصیحت حاصل کئے بغیر ذکر ناقص ہے۔ چنانچہ ان معانی کی تائید ایک اور آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾[4]

اس آیت میں بھی ان دونوں معانی کو جمع کیا گیا ہے یعنی ذکر جو نسیان کی ضد ہے اور تذکّر جو غفلت کی ضد ہے، لیکن درج بالا آیت میں یہ دونوں معانی ایک ہی کلمہ میں دو قراءتوں کی بناء پر بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

---

[1]۔ الكشف: 2 / 47

[2]۔ زاد المسير: 3 / 26

[3]۔ روح المعاني: 15 / 82

[4]۔ القمر، 54: 17

امثلہ تفسیر قرآن بذریعہ قراءاتِ شاذہ

1. صلوٰۃِ وسطیٰ سے مراد

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نمازِ پنجگانہ کی پابندی کرنے پر متنبہ فرمایا ہے۔ اس ضمن میں ساتھ ہی صلوٰۃ وسطیٰ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد کون سی نماز ہے جس کی تاکید نماز پنجگانہ کے متّصل بعد ہی کر دی گئی ہے؟

صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں فقہائے کرام کے مختلف اَقوال ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔[1] مالکیہ میں سے ابن العربی اور ابن عطیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[2] صلوٰۃ وسطیٰ سے بعض فقہاء کے نزدیک فجر کی نماز مراد ہے۔ یہ امام مالک اور امام شافعی کا موقف ہے۔[3]

فقہاء کے مابین اس اِختلاف کا سبب قراءتِ شاذہ ہے۔ اِرشادِ الٰہی ہے:

﴿حَٰفِظُوا عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ﴾[4]

امہات المؤمنین سیدہ عائشہ (57ھ)، حفصہ (45ھ) اور اُم سلمہ (62ھ) رضی اللہ عنہن کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصاحف میں و الصلوۃ الوسطی کے بعد صلوۃ العصر کے اَلفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔[5] فقہاء میں اختلاف کا سبب یہی الفاظ ہیں جو قراءتِ شاذہ کے قبیل سے ہیں۔ جن فقہاء کے ہاں اس سے مراد نماز عصر ہے وہ اس مقام پر 'واؤ' کو عاطفہ کہتے ہیں اور جن کے نزدیک اس سے عصر کی نماز مراد نہیں ہے انہوں نے

---

[1] ـ كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي، شرح فتح القدير، دار الفكر، بيروت: 1 / 490 ؛ ابن قدامة، أبو محمد عبد الله بن قدامة المقدسي، المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى، 1405هـ: 1 / 421 ؛ ابن مفلح، أبو إسحاق برهان الدين إبراهيم بن محمد بن عبد الله، المبدع شرح المقنع، دار عالم الكتب، الرياض، 1423هـ / 2003م: 1 / 288

[2] ـأحكام القرآن: 1 / 448 ؛ المحرّر الوجيز: 1 / 281

[3] ـ القرافي، شهاب الدين أحمد بن إدريس، الذّخيرة، دار الغرب، بيروت، 1994م: 2 / 31 ؛ الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد البصري البغدادي، الحاوي في فقه الإمام الشافعي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1414هـ / 1994م.: 2 / 7

[4] ـ البقرة، 2: 238

[5] ـ أحكام القرآن للجصاص: 2 / 155

'واؤ' کو مغایرت کا نام دیا ہے۔

2. روزوں کی قضا کا حکم

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے رمضان المبارک میں دو یا دو سے زیادہ روزے رہ جائیں تو ان کی قضاء کا طریقہ کار کیا ہو گا؟ آیا یہ روزے مسلسل رکھے جائیں گے یا ان کے درمیان وقفہ بھی کیا جا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے روزوں کی فرضیت کے بعد ان کی قضا کا بیان بھی کیا ہے۔ اِرشادِ ربّانی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ O أَيَّامًا مَّعۡدُودَٰتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوۡ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾[1]

قضائے صیام کے مسئلہ میں فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ قضائے صیام میں تسلسل کو شرط قرار دیتے ہیں۔ داؤد ظاہری رحمہ اللہ کے نزدیک تسلسل شرط نہیں بلکہ واجب ہے۔ اس کے برعکس ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ قضائے صیام میں تسلسل شرط نہیں ہے البتہ مستحب ضرور ہے۔[2]

فقہاء کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف کی ایک وجہ قراءتِ شاذہ ہے جو سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ مُتَتَابِعَاتٍ[3] اس میں متتابعات کا اِضافہ ہے۔ جبکہ قراءتِ متواترہ کے ظاہر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی قضا میں تسلسل شرط نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان وقفہ بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن قراء

[1] ۔ البقرة، 2 : 183، 184

[2] ۔ ابن نجيم الحنفي، زين الدّين، البحر الرّائق شرح كنز الدّقائق، دار المعرفة، بيروت : 2 / 307 ؛ مالك بن أنس بن مالك الأصبحي المدني، المدوّنة الكبرى، دار الكتب العلمية، بيروت : 1 / 280 ؛ الشافعي، محمد بن إدريس، الأمّ، دار الوفاء، المنصوره، 1429ھ/ 2008م: 2 / 103 ؛ ابن قدامة، أبو محمد عبد الله بن قدامة المقدسي، الشّرح الكبير على متن المقنع ،جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، الرياض: 3 / 80

[3] ۔ نظام الدّين الحسن بن محمد القمي النيسابوري، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1416ھ / 1996م: 1 / 497

تِ شاذہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قضائے صیام میں تسلسل شرط ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قراءتِ متواترہ میں قضائے صیام کا حکم مطلق تھا لیکن قراءتِ شاذہ نے اس مطلق حکم کو مقید کر دیا ہے۔

3. وجوبِ عمرہ کا مسئلہ

شریعتِ اسلامیہ کی رو سے زندگی میں ایک دفعہ صاحبِ حیثیت مکلّف انسان پر حج بیت اللہ کی ادائیگی کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اِختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ کیا عمرہ بھی زندگی میں ایک دفعہ اَدا کرنا فرض ہے یا نہیں؟

اس بارے میں فقہاء کے درمیان دو موقف پائے جاتے ہیں۔ پہلا شافعیہ اور حنابلہ کا ہے،[1] جو عمرہ کو حج کی مانند فرض قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرا موقف حنفیہ اور مالکیہ کا ہے،[2] جن کے نزدیک زندگی میں ایک دفعہ عمرہ اَدا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

فقہاء کے مابین اس اِختلاف کی ایک وجہ قراءتِ شاذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَأَتِمُّوا۟ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾[3]

اس آیتِ کریمہ میں متواتر قراءت تو ﴿وَٱلْعُمْرَةَ﴾ تاء کے نصب کے ساتھ ہے، جبکہ اس میں ایک شاذ قراءت یعنی العُمْرَةُ برفع التاء بھی ہے۔[4] عمرہ کو فرض قرار دینے والے فقہاء نے نصب والی متواتر قراءت سے اِستدلال کیا ہے کہ عمرہ کے لیے بھی اَمر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ عمرہ کو فرض قرار دیا جائے جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ 'العمرة لله' میں ایک جملہ خبریہ کا بیان ہے کہ جس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ عمرہ

---

[1] ۔ زكريا الأنصاري، شيخ الإسلام، أسنى المطالب في شرح روض الطالب، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1422ھ / 2000م : 5 / 463 ؛ مصطفى السيوطي الرحيباني، مطالب أولي النهى في شرح غاية المنتهى، المكتب الإسلامي، 1961م : 6 / 25

[2] علاؤ الدّين السّمرقندي، تحفة الفقهاء، دار الكتب العلميّة، بيروت، 1405ھ / 1984م: 1 / 392 ؛ أحمد بن غنيم بن سالم النفراوي، الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني، مكتبة الثقافة الدينية : 4 /276

[3] البقرة، 2 : 196

[4] النّحاس، أبو جعفر أحمد بن محمد بن إسماعيل، إعراب القرآن، عالم الكتب، بيروت، 1409ھ / 1988م: 1 / 292

خالص اللہ کے لیے ہے اور اس میں مشرکین کی مانند بتوں کو شریک کرنا درست نہیں ہے۔ لہٰذا عمرہ فرض نہیں ہے۔[(1)]

خلاصہ کلام

تفسیر بالماثور کی بہترین صورت قرآن کی تفسیر بذریعہ قرآن ہے اور اس کی ایک صورت قرآن کی تفسیر بذریعہ قراءات قرآنیہ بھی ہے۔ قدیم مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم قرآن کی تفسیر میں قراءات قرآنیہ کو کثرت سے بیان کرتے اور ان سے تفسیر قرآن میں مدد لیتے تھے۔

[1] ۔إعراب القرآن: 1 / 292